اکائی: 3 فصاحت وبلاغت

اکائی کے اجزاء

3.1 مقصد

3.2 تمہید

3.3 فصاحت کی تعریف

3.4 کلامِ فصیح کی شرطیں

3.5 بلاغت کی تعریف

3.6 کلامِ بلیغ کی شرطیں

3.7 فصاحت وبلاغت کے درمیان فرق

3.8 خلاصہ

3.9 نمونے کے امتحانی سوالات

3.10 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

3.11 مشکل الفاظ کی فرہنگ

3.1 مقصد

اس اکائی مقصد یہ ہے کہ ہم فصاحت اور بلاغت کے متعلق معلومات حاصل کریں۔فصاحت کسے کہتے ہیں؟ بلاغت کیا ہوتی ہے؟ کوئی کلام فصیح و بلیغ کس طرح ہوتا ہے؟اور فصاحت و بلاغت کے درمیان کیا فرق ہے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں،جن کے جوابات کا علم ہونا ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے۔اس اکائی ان تمام سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

3.2 تمہید

اچھی اور صاف ستھری زبان کا استعمال انسان کی تہذیب و شرافت کا پتا دیتا ہے۔اسی لیے ہر زمانے میں اہل علم اور عام سنجیدہ افراد زبان کے حسن پر توجہ دیتے رہے ہیں۔عربوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کم سنی میں ہی اچھے اور ممتاز قبائل میں رہنے کے لیے بھیج دیتے تھے۔اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ اُن کے بچے اچھی زبان سیکھ سکیں۔اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی اُن کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اسی لیے حضرت حلیمہ کے سپرد کیا تھا کہ آپ فطری ماحول میں زندگی گزار کر صحت مند بھی رہ سکیں اور زبان و بیان بھی سیکھ سکیں۔غرض یہ کہ انسان نے ہمیشہ اچھی زبان کو پسند کیا اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھی زبان کیسی ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ جو زبان فصاحت اور بلاغت دونوں کے معیار پر پوری اترے،وہی زبان اچھی اور معتبر سمجھی جائے گی۔اس لیے اہل زبان کے نزدیک معتبر زبان کو جاننے اور سیکھنے کے لیے فصاحت و بلاغت کے متعلق جاننا ضروری ہے۔فصاحت و بلاغت کی تعریفات،ان کی حقیقت اور اصول و شرائط معلوم ہو جائیں تو بہ آسانی اچھی زبان بولی اور لکھی جا سکتی ہے۔ایک پڑھے لکھے شخص اور خاص طور پر ایک طالب علم کے لیے ان چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔اس لیے اس اکائی میں فصاحت و بلاغت کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

3.3 فصاحت کی تعریف

فصاحت کے لغوی معنی ظاہر ہونے،واضح ہونے،پے چیدگی اور ابہام سے پاک ہونے کے ہیں۔

معجم الوسیط میں ہے:

الفصاحة سلامة ا لألفاظ من اللّحن وا لإبہام وسوء التألیف۔

الفاظ کے غلطیوں،ابہام اور بدترتیبی سے پاک ہونے کو فصاحت کہتے ہیں۔

معجم الرائد میں مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے:

سلامة الكلام من التعقيد۔ أما فصاحة المفرد فتكون بسلامة من تنافر الحروف، ومن الكراهة فی السمع واللفظ و من غرابة ا لاستعمال، ومن مخالفة القياس اللغوي وأما فصاحة احمد كب فتكون بسلامته من ضعف التأليف، ومن تنافر الكلمات، ومن التعقيد، ومن التكرار، ومن تتابع ا لإضافات۔

کلام کے الجھاؤ اور پے چیدگی سے محفوظ ہونے کو فصاحت کہتے ہیں۔ جہاں تک رہی بات کسی ایک لفظ کے فصیح ہونے کی تو وہ اس وقت فصیح ہوگا، جب وہ تنافرِ حروف سے محفوظ ہو اور سننے یا ادا کرنے میں بھدے پن سے پاک ہو اور اس کا استعمال متروک اور لغوی قیاس کے خلاف نہ ہو۔

جہاں تک رہی بات کسی جملے کے فصیح ہونے کی تو وہ اس وقت فصیح ہوگا، جب وہ ترتیب کے لحاظ سے کم زور نہ ہو۔ مزید یہ کہ تنافر کلمات، پے چیدگی، تکرارِ بے جا اور غیر ضروری اضافوں سے محفوظ ہو۔

معجم الغنی میں ہے:

تحدّث بلغة فصيحة: بينة خالية من التعقيد، واضحة المعنىٰ۔

جب کہا جائے کہ وہ شخص فصیح زبان بولا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایسی صاف زبان بولا، جو پے چیدگی سے پاک اور واضح معانی پر مشتمل تھی۔

اسی لیے عربی زبان میں ''فصح الصبح'' اس وقت کے لیے استعمال کرتے ہیں، جب صبح اچھی طرح نمودار ہو جاتی ہے۔ ''یوم فصیح'' ایسے دن کو کہتے ہیں، جس میں آلودگی، بدلی یا کہرا وغیرہ نہ ہو۔

ماہرین لغت کی ان لفظی تعریفات سے کافی حد تک فصاحت کی اصطلاحی تعریف بھی معلوم ہوگئی۔ آیئے! اس سلسلے میں کچھ اور بات جانتے ہیں۔ فصاحت کی اصطلاحی تعریف اور اس کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے عام طور پر اس طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں:

الکلام الفصيح ماكان واضح المعنى، سهل اللفظ، جيّد السبک، ولهذ اوجب أن تكون كل كلمة فيه جارية علىٰ القياس الصرفى، بينة فى معناها، مفهومة عذبة سلسة، و إنما تكون الكلمة كذلک إذ اكان مألوفة ا لاستعمال بين النابهين من الكتاب والشعراء، لأنها لم تتداولها ألسنتهم، ولم تجر بها أقلامهم إ لا لمكانها من الحسن باستكمالها جميع ماتقدم من نعوت الجودة وصفات الجمال۔

کلامِ فصیح وہ ہوتا ہے، جو معنی کے اعتبار سے واضح، ادائی کے لحاظ سے آسان اور ترتیب کے لحاظ سے عمدہ ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کلام کا ہر لفظ قیاس صرفی کے لحاظ سے درست، معانی کے لحاظ سے بالکل واضح اور اپنے لائقِ فہم ہونے کے لحاظ سے شیریں اور سلیس ہو۔ کسی بھی لفظ کے ان صفات کے حامل ہونے کا پتا اس طرح چل سکتا ہے کہ اُس لفظ کو مصنّفین اور شعراء کی دونوں صاحبِ علم جماعتوں نے استعمال کیا ہو۔ کیوں کہ ان کی زبان و قلم پر وہی الفاظ جاری ہوتے ہیں، جن کے اندر مذکورہ بالا محاسن ہوتے ہیں۔

اس گفتگو سے کئی اہم باتیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ فصاحت کی حقیقت سمجھنے کے لیے ان باتوں کا سمجھنا لازمی ہے۔

پہلی بات یہ کہ فصیح کلام وہ ہوتا ہے، جو مفہوم اور معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہو۔ اس میں جو بات کہی گئی ہو، وہ بہ آسانی سمجھ میں آ جائے۔ وہ ایسی بات نہ ہو، جس کو سمجھنے میں دشواری ہو اور قاری بے چارہ ذہن ہی دوڑا تا رہے کہ اس میں کیا بات کہی جا رہی ہے۔ بلکہ قاری یا سامع پڑھتے یا سنتے ہی سمجھ جائے کہ کیا بات بیان کی جا رہی ہے۔ اُس کلام کے مفہوم و مراد کی طرف فوراً ذہن منتقل ہو جائے۔

دوسری بات یہ کہ اس میں ایسے پے چیدہ اور عجیب وغریب الفاظ نہ استعمال کیے گئے ہوں، جن کو پڑھنا یا زبان سے ادا کرنا دشوار ہو۔ متروک اوراجنبی الفاظ نہ استعمال کیے گئے ہوں۔ زبردستی بنائے گئے اوراہل زبان کے نزدیک انتہائی کم استعمال ہونے والے الفاظ نہ استعمال کیے گئے ہوں۔ بلکہ کلام میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ ایسے ہوں، جنھیں اہل زبان روزمرہ میں استعمال کرتے ہوں۔ ہر شخص اُن کو سمجھ سکتا ہو، کسی کے لیے وہ اجنبی یا ناقابل فہم نہ ہوں اوراُن کو اپنی زبان سے ادا کرنا ہر ایک کے لیے آسان ہو۔

تیسری بات یہ کہ اُس کلام کو خوب صورت انداز میں ترتیب دیا گیا ہو۔ ہر جملہ حسن ترتیب کا آئینہ دار ہو۔ الفاظ کی ترتیب اور تقدیم وتاخیر اس انداز میں کی گئی ہو کہ پڑھنے یا سننے والے کو نہ بات سمجھنے میں دشواری ہو اور نہ جملے کو پڑھنے یا سننے میں۔ بلکہ پڑھنے یا سننے میں بھی لطف آئے اور حسن ترتیب کی وجہ سے بات بھی عقل میں جاگزیں ہوتی چلی جائے۔

چوتھی اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ ہر لفظ قیاسِ صرفی کے لحاظ سے بالکل درست ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیاسِ صرفی کیا ہے؟ دراصل ہر زبان کی ایک صرف ہوتی ہے، یعنی ہر زبان میں اس بات کا ایک مخصوص علم ہوتا ہے کہ اُس زبان کا کون سا لفظ کس طرح بنا؟ اس کی اصل کیا ہے؟ موجودہ شکل تک پہنچنے میں اس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں اور کیوں ہوئیں؟ لہٰذا فصیح کلام کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس میں استعمال ہونے والا کوئی لفظ بغیر کسی اصول و ضابطے کے وضع نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر لفظ ایسا ہو، جس کی صحت ماہرین زبان متفق ہوں اور اس کو درست سمجھتے ہوں۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون سا لفظ صرفی لحاظ سے درست ہے، ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اس لفظ کو اُس زبان کے مستند ادباء یا شعراء نے استعمال کیا ہو۔ ان کا استعمال ہمیں بتادے گا کہ کون سا لفظ فصیح ہے اور کون سا نہیں؟ کیوں کہ یہ دونوں ہر لفظ بہت ناپ تول کر استعمال کرتے ہیں اور غلط الفاظ کے استعمال سے بچتے ہیں۔ جس زمانے میں جو لفظ فصیح ہوتا ہے، اس زمانے کے مستند ادب، وشعراء اُسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے اس بات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> فصاحت سے مراد یہ ہے کہ لفظ یا محاورے یا فقرے کو اس طرح بولا یا لکھا جائے، جس طرح مستند اہل زبان لکھتے یا بولتے ہیں۔ لہٰذا فصاحت کا تصور زیادہ تر سماعی ہے۔ اس کی بنیاد روزمرۂ اہل زبان پر ہے، جو بدلتا بھی رہتا ہے۔ اسی لیے فصاحت کے بارے میں کوئی دلیل لانا یا اصول قائم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ فصاحت کا تصور بھی زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور الفاظ بھی زمانے کے ساتھ فصیح یا غیر فصیح بنتے رہتے ہیں۔ (درس بلاغت، ص14)

3.4 کلامِ فصیح کی شرطیں

اہل علم اوراہل زبان نے فصیح کلام کی چار شرطیں بیان کی ہیں۔ ان میں کچھ باتیں ہم اوپر کر چکے ہیں، البتہ ترتیب سے چاروں شرطوں کو مختصراً بیان کرتے ہیں، تاکہ مثالوں کے ذریعے بات کو اچھی طرح واضح کیا جاسکے۔

الف: صحتِ ترتیب

کلام کے فصیح ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ جملوں کی ترتیب اصول وضوابط کے مطابق ہو۔ قواعد کے لحاظ سے جس لفظ کو جہاں آنا چاہیے، وہ وہیں آئے۔ مثال کے طور پر عربی قاعدے کے مطابق ضمیر اپنے سے پہلے لفظ کی طرف لوٹتی ہے، بعد والے کی طرف نہیں لوٹتی۔ یہ قاعدہ ہر خاص وعام کی

زبان میں پایا جاتا ہے۔لیکن عربی کا ایک شعر ہے:

وَلَو أنَّ مجدًا أَخلد الدهر واحداً

من الناس أبقى مجدُهُ الدهرَ مطعمًا

''مجدہ'' میں ھوضمیر مُطعم کی طرف لوٹ رہی ہے،لیکن مطعم ضمیر سے پہلے آنے کے بہ جائے ضمیر کے بعد آ رہا ہے۔لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شعر فصیح کلام کے اصول وضوابط پر پورا نہیں تر رہا ہے اور غیر فصیح ہے۔

ب: تنافرِ کلمات سے محفوظ ہونا

کلامِ فصیح کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ جملہ تنافرِ کلمات سے محفوظ ہو۔تنافرِ کلمات کا مطلب یہ ہے کہ اُس جملے میں الفاظ کی ترتیب اور اُن کی ترکیب ایسی نہ ہو کہ پڑھنا دشوار ہو جائے یا سننے میں کانوں پر بار محسوس ہو۔مثال کے طور پر ایک شاعر کا مشہور شعر ہے:

و قبرُ حربٍ بمكانٍ قَفر

وليس قربَ قبرِ حربٍ قبرُ

اسی طرح ایک اردو شاعر کہتا ہے:

چچا چار کچرے کچے، چچا چار کچرے پکے

پکے کچرے کچے چچا، کچے کچرے پکے

ان اشعار میں کوئی ترتیب یا ترکیب غلط تو نہیں ہے،لیکن کچھ اس انداز کی ہے کہ اس شعر کو دو تین مرتبہ جلدی جلدی نہیں پڑھا جا سکتا۔الفاظ کی ترتیب کا یہ عدمِ تناسب اور پے چیدگی تنافرِ کلمات کہلاتی ہے۔جس کلام میں یہ تنافر پایا جائے گا، وہ کلام فصیح نہیں ہوگا۔

ج: تعقیدِ لفظی سے محفوظ ہونا

تعقیدِ لفظی سے محفوظ ہونا بھی کلامِ فصیح کی ایک شرط ہے۔تعقید کا مطلب ہوتا ہے پے چیدگی اور گنجلک پن۔مطلب یہ ہے کہ کلام میں لفظی اعتبار سے تعقید اور پے چیدگی نہ ہو۔یعنی الفاظ کی غلط تقدیم وتاخیر اور بے جا فاصلہ یا بے جا اتصال نہ ہو۔جس لفظ کو پہلے آنا چاہیے، وہ پہلے ہی آئے۔جس لفظ کو بعد میں آنا چاہیے، وہ بعد میں آئے۔جن دو لفظوں کے درمیان فاصلہ نہ ہونا چاہیے، اُن کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔کیوں کہ اس طرح کی کمیوں کی وجہ سے کلام کا مقصد اور مدعا پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔اسی کا نام تعقیدِ لفظی ہے۔متنبّی کا شعر ہے:

أنّى يكون أبا البرية آدمُ

و أبوك والثقلانِ أنت محمّدُ؟

حالاں کہ اسے اس طرح ہونا چاہیے: كيف يكون آدم أبا البرية، وأبوك محمد وأنت الثقلان ۔لیکن ترتیب کے بدل جانے اور ''أبوک محمد'' میں مبتدا خبر کے درمیان فاصلہ ہو جانے اور ''والثقلان أنت'' میں خبر کے مبتدا سے مقدم ہونے کی وجہ سے بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔اگر اس شعر میں ایک آدھ جگہ ایسا ہوتا تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی،لیکن ایک شعر میں ایک سے زائد مرتبہ اس کمی کا پایا جانا، قاری تک شعر کو پہنچنے سے روک رہا ہے۔یہ ایک مذموم وصف ہے، جس کی وجہ سے کلام فصیح نہیں ہو پاتا۔

د: تعقید معنوی سے محفوظ ہونا

کلام کے فصیح ہونے کی چوتھی اور آخری شرط یہ ہے کہ کلام تعقید معنوی سے محفوظ ہو۔تعقید معنوی کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں کوئی ایک یا ایک

سے زائد لفظ ایسے معنی میں استعمال کیا جائے، جس معنی میں اس کا استعمال نہ ہوتا ہو۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں ''لسان'' کو ''لغت'' یعنی Language کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی اس کو جاسوسی کے معنی میں استعمال کرے، تو یہ تعقید معنوی ہوگی۔

اسی طرح کلام میں کوئی ایسی بات کہی جائے، جس سے کلام کا موضوع متاثر ہو رہا ہو۔ مثال کے طور پر کوئی اپنے محبوب کی وفاداری دکھانے کے لیے کتے کا لفظ استعمال کرے۔ کتے کی وفاداری میں کوئی شک نہیں، لیکن محبوب اسے تعقید معنوی کہتے ہیں۔ جس کلام میں بھی اس طرح کی باتیں پائی جائیں گی، وہ کلام تعقید معنوی کا حامل ہوگا اور غیر فصیح ہوگا۔

3.5 بلاغت کی تعریف

بلاغت کی تعریف اور اس کے متعلق بنیادی باتیں آپ پہلی اکائی میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں مختصراً کچھ باتیں بیان کی جارہی ہیں۔ اہل لغت نے بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے تقریباً یکساں باتیں کہی ہیں۔ معجم الرائد میں ہے:

ھی أن یکون الکلام مطابقاً مقتضی الحال مع فصاحته۔

فصاحت کا خیال رکھتے ہوئے حالات کے مطابق بات کرنا۔

معجم الوسیط میں کہا گیا ہے:

البلاغة عند علماء البلاغة: مطابقه الکلام لمقتضی الحال مع فصاحته۔

علمائے بلاغت کے نزدیک بلاغت کہتے ہیں: بات کو فصاحت اور حالات کے مطابق کرنا۔

علمائے بلاغت نے عام طور پر یہ بات لکھی ہے:

ھی تأدیة المعنی الجلیل واضحاً بعبارةٍ صحیحة فصیحة ، لھا فی النفس أثر خلاب، مع ملاء مة کل کلام للمطن الذي یقال فیه، و لأشخاص الذین یخاطبون۔

اچھی باتوں کو درست اور فصیح عبارتوں کے ذریعے اس طرح بیان کرنا کہ دل پر اس کا گہرا اثر ہو۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی پورا خیال رکھا جائے کہ ہر بات جگہ اور مخاطبوں کے لحاظ سے پوری طرح مناسب ہو۔

ان تعریفات سے ہمارے سامنے بلاغت کی تعریف اور اس کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ بلاغت میں پورا زور اپنی بات کو قاری یا سامع کے دل میں اتار دینے پر ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے بلاغت کہا جاتا ہے۔ بلغ کے معنی ہوتے ہیں پہنچنا۔ یعنی جو بات قاری یا سامع کے دل و دماغ تک بہ آسانی پہنچ جائے، اُسی کا نام بلاغت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ الفاظ کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے، باتوں کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے اور موقع محل کا درس ہونا بھی ضروری ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان زبان تو بڑی شان دار استعمال کر رہا ہے، لیکن باتیں بڑی گھٹیا کہہ رہا ہے۔ ایسے میں کوئی باذوق انسان اُس کی بات کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بات تو بہت اعلیٰ اور زبردست بیان کر رہا ہے، لیکن اُسے اپنی بات پیش کرنے کے لیے اچھی زبان نہیں آئی۔ وہ الٹے سیدھے الفاظ استعمال کر کے اپنی بات دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی وہ شخص ناکام ہو جائے گا اور کوئی اس کی بات پر توجہ نہیں دے گا، کیوں کہ اس کی زبان خراب ہے۔ ان دونوں صورتوں کے برعکس کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کی زبان بھی بہت اچھی ہے اور باتیں بھی بہت اعلیٰ ہیں۔ لیکن وہ موقع محل کا خیال نہیں رکھ پا رہا ہے۔ کسی کے ہاں کوئی غم کا موقع ہے اور ہم اُسے اعلیٰ اسلوب میں نصیحت کرنے پہنچ گئے۔

ایسے میں کون ہماری بات سنے گا؟ معلوم ہوا کہ موقع محل کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے بلاغت کے لیے ضروری قرار دے دیا گیا کہ بات کو موقع محل کی رعایت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ یہ رعایت نہ کی گئی تو کلام بلیغ نہیں ہو سکے گا۔

3.6 کلامِ بلیغ کی شرطیں

کسی کلام میں بلاغت پائے جانے کی دو شرطیں ہیں۔ یہاں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

الفا: فصاحت

کسی بھی کلام کے بلیغ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر فصاحت بھی پائی جائے۔ جو بات کہی جائے وہ اچھے انداز میں، اچھے الفاظ کے استعمال کے ساتھ اور الجھے ہوئے یا پیچیدہ جملوں کے ذریعے نہ کہا جائے۔ بلکہ جو بھی بات ہو، وہ بہت اچھے الفاظ، صاف ستھرے جملوں اور اصول وضوابط کے مطابق استعمال کیے گئے الفاظ اور جملوں کے ساتھ ادا کی جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کلام فصیح نہیں ہوگا اور اگر کلام فصیح نہ ہوا تو وہ بلیغ بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کلام کے بلیغ ہونے کے لیے سب سے پہلے اُس کا فصیح ہونا ضروری ہے۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی بات اچھے انداز میں نہ کہی جائے، اُس میں الٹے سیدھے الفاظ ہوں، غیر مرتب جملے ہوں اور بہت زیادہ الجھاؤ بھی ہوتی وہ بات کسی کے دل میں کیسے اتر سکتی ہے؟ دل میں اترنا تو بہت دور کی بات ہے، ایسی باتوں کو تو کوئی سننا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ جب ایسی باتیں سنی نہیں جائیں گی تو وہ کسی کے دل و دماغ تک کیسے پہنچیں گی؟ جب وہ دل و دماغ تک نہیں پہنچ سکتیں تو انھیں کلامِ بلیغ یا بلاغت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ بلیغ کلام یا بلاغت کہتے ہی ہیں ایسے کلام کو جو دل و دماغ تک پہنچ جائے۔ اس لیے بلاغت کے لیے سب سے پہلی شرط فصاحت ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ کلامِ بلیغ کی پہلی شرط ہے کہ اس میں کلامِ فصیح کا مکمل خیال رکھا گیا ہوں۔

ب: اقتضائے حال

بلاغت کی دوسری اور انتہائی اہم شرط یہ ہے کہ کلام حالات کے مطابق ہو۔ حالات کے مطابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت بات کہی جارہی ہو، اُس وقت کے لحاظ سے بھی درست ہو اور جن لوگوں سے کہی جارہی ہو اُن لوگوں کے مزاج وحالات کے بھی مطابق ہو۔

مثال کے طور پر آپ کسی کو گرمی سے بچنے اور گرمی کے موسم میں پھیلنے والی بیماریوں سے محفوظ رہنے کی نصیحت کریں۔ آپ کی زبان بھی بہت عمدہ اور فصیح ہو۔ لیکن یہ بات آپ سخت سردی کے موسم میں کر رہے ہوں، تو کیا کوئی شخص آپ کی بات سننے کے لیے آمادہ ہوگا۔ آپ کی باتیں بھی اچھی تھیں اور زبان بھی فصیح تھی۔ اس کے باوجود کوئی آپ کی بات سننے کو تیار نہ ہوگا۔ کیوں کہ آپ سخت سردی کے موسم میں گرمی کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ اسی طرح مان لیجیے کہ آپ کسی مجمعے کے سامنے معاشیات کے موضوع پر تقریر کر رہے ہوں۔ معاشیات کے اصول وضوابط پر شاندار گفتگو کر رہے ہوں۔ لیکن جن لوگوں کے سامنے گفتگو کر رہے ہوں، وہ سیدھے سادے اور بے پڑھے لکھے دیہاتی یا کسان ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ کا وقیع علمی خطاب اُن کے لیے فضولیات کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں آپ کا کلام بلاغت سے خالی کہلائے گا اور بلیغ نہ ہوگا۔ کلامِ بلیغ تو وہی ہوگا جس میں کلام کے ماحول اور مخاطب کے مزاج و نفسیات کا خیال رکھا جائے۔ اقتضائے حال کا لحاظ نہ کیا گیا تو کلام بلیغ نہیں ہوسکتا۔

3.7 فصاحت و بلاغت کے درمیان فرق

فصاحت و بلاغت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ علم نے ہمیشہ بلاغت کو زیادہ اہمیت دی، اسی لیے اس علم کو "علم بلاغت" کہا گیا اور اس کے ذیل میں فصاحت کا تذکرہ کیا گیا۔ لیکن اس سے فصاحت کی مستقل حیثیت ختم نہیں ہوتی۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور اسی حیثیت سے انھیں پڑھایا اور اختیار کیا جاتا ہے۔

فصاحت و بلاغت کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ فصاحت میں اصل زور کلام کو سنوارنے پر دیا جاتا ہے، جب کہ بلاغت میں اصل اہمیت کلام کو دوسروں تک پہنچانے پر ہوتی ہے۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ فرق بس ظاہری سا محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ کلام میں فصاحت اس لیے نہیں پیدا کی جاتی کہ اُسے سامنے رکھ کر پوجا جائے یا چوما چاٹا جائے۔ کلام کو فصیح اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ مخاطب اُس سے متأثر ہو سکے۔ اسی طرح آپ بلاغت کی تعریف میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی کلام اس وقت تک بلیغ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ فصیح نہ ہو۔ لہٰذا فصاحت و بلاغت دونوں کے درمیان گہرا ربط موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہر بلیغ کلام کا فصیح ہونا تو ضروری ہے، لیکن ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری نہیں۔ فصاحت و بلاغت کی تعریفات دیکھنے سے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ بات اہل علم کے نزدیک کافی حد تک مسلم بھی ہو چکی ہے۔ البتہ بعض اہل علم اس نظریے سے اختلاف کرتے ہیں۔ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے:

درس بلاغت، ص ۱۴، ۱۵ سے اقتباس لگانے ہیں

3.8 خلاصہ

اس اکائی کو پڑھ کر ہم نے جانا کہ جو کلام ترتیب کے لحاظ سے بالکل درست ہو، تعقید لفظی و معنوی اور تنافرِ کلمات سے محفوظ ہو، ایسا کلام کلامِ فصیح کہلاتا ہے۔ جب کہ جس کلام میں فصاحت کا اہتمام کرتے ہوئے اقتضائے حال کا بھی خیال رکھا جائے اُسے کلامِ بلیغ کہتے ہیں۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اہل علم کے ہاں یہ بات تقریباً مسلم ہو چکی ہے کہ ہر بلیغ کلام فصیح ہوگا، لیکن ہر فصیح کلام کا بلیغ ہونا ضروری نہیں۔ بعض اہم علم اس نظریے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔

3.9 نمونے کے امتحانی سوالات

تین سطروں میں جواب لکھیے:

1- فصاحت کی لغوی تعریف کیا ہے؟

2- بلاغت کی شرطیں کتنی ہیں؟ اور کون کون؟

3- قیاسِ صرفی کا کیا مطلب ہے؟

پندرہ سطروں میں جواب لکھیے:

1- تعقید لفظی اور تعقید معنوی کی تشریح مع مثال لکھیے۔

2- فصاحت و بلاغت کے باہمی ربط پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

3- کلامِ فصیح کی شرطیں مع تشریح لکھیے۔

3.10 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1- البلاغة الواضحة، علمی الجارم/مصطفی امین

2- البلاغة العربیة، عبدالرحمن حسن حبنکة المیدانی

3- دروس البلاغة، حفنی ناصف و دیگر

4- آئینۂ بلاغت، محمد حسن عسکری

5- درس بلاغت، شمس الرحمن فاروقی

3.11 مشکل الفاظ کی فرہنگ

وقیع	بلند، معتبر
معاشیات	روزی روٹی اور مال و دولت کمانے کا علم